جو اللہ کے نام اور خطبہ کے ساتھ مجمع کے سامنے کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس ازدواجی عہد و میثاق اور باہم بے حجابانہ ملنے کے بعد دیا ہوا مال واپس کرنے کے لئے عورت کو مجبور کرنا کھلا ہوا ظلم و جور ہے، مسلمانوں کو اس سے اجتناب لازم ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے تمہارے باپ مگر جو پہلے ہو چکا ،

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ

یہ بے حیائی ہے اور کام ہے غضب کا اور بُرا چلن ہے ، حرام ہوئی ہیں تم پر

اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ

تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بیٹیاں

الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

بھائی کی اور بہن کی اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ

اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو جناب تمہاری عورتوں نے جن سے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا

تم نے صحبت کی، اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ

کچھ گناہ نہیں اس نکاح میں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے

اَصْلَابِكُمْ لا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ

ہیں ، اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے

سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

ہو چکا ، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ

اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں

اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ

تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ

پھر جس کو کام میں لائے تم ان عورتوں میں سے تو ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے ،

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ

اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کئے پیچھے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

بے شک اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

ربطِ آیات اوپر سے جاہلیت کی رسوم قبیحہ کا ذکر چلا آرہا ہے، ان میں سے ایک رسم یہ تھی کہ بعض حرام عورتوں سے نکاح کر دیا کرتے تھے، مثلاً اپنی سوتیلی ماں سے، ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے اسی کی مناسبت سے دوسری محرمات کا بھی ذکر آگیا، نیز وہ لوگ لے پالک بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو حرام سمجھتے تھے، اس کا بھی ابطال فرما دیا، اس سلسلہ میں بعض ان عورتوں کی حلت کو بھی بیان کیا گیا جن میں مسلمانوں کو شبہ ہوا تھا، مثلاً باندی جو مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی ہو اور اس کا پہلا شوہر دارالحرب میں ہو، اسی کے ساتھ نکاح کے شرائط اور اس کے متعلقات مہر وغیرہ کا بھی ذکر آگیا۔

خلاصۂ تفسیر

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ (یا دادا یا نانا) نے نکاح کیا ہو، مگر (خیر) جو بات گذر گئی گذر گئی، (آئندہ کبھی ایسا نہ ہو) بیشک یہ (بات عقلاً بھی) بڑی بے حیائی ہے، اور (اہل طبائع سلیمہ کے عرف میں بھی) نہایت نفرت کی بات ہے اور (شرعاً بھی) بہت بُرا طریقہ ہے، تم پر (یہ عورتیں) حرام کی گئی ہیں (یعنی ان سے نکاح کرنا

حرام اور باطل ہے، اور ان کی کئی قسمیں ہیں:

اول محرمات نسبیہ وہ یہ ہیں) تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں (اور ان میں سب اصول و فروع بواسطہ و بلاواسطہ سب داخل ہیں) اور تمھاری بہنیں (خواہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی) اور تمھاری پھوپھیاں (اس میں باپ کی اور سب مذکر اصول کی تینوں قسموں کی بہنیں آگئیں) اور تمھاری خالائیں (اس میں ماں کی اور سب مؤنث اصول کی تینوں قسموں کی بہنیں آگئیں) اور بھتیجیاں (اس میں تینوں قسموں کے بھائیوں کی اولاد بواسطہ و بلاواسطہ سب آگئیں) اور بھانجیاں (اس میں تینوں قسموں کی بہنوں کی اولاد بواسطہ و بلاواسطہ سب آگئیں) اور

قسم دوم محرمات رضاعیہ، وہ یہ ہیں) تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا (یعنی انا) اور تمھاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے بہن ہیں (یعنی تم نے ان کی حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، یا اس نے تمھاری حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، گو مختلف وقت میں پیا ہو) اور

قسم سوم محرمات بالمصاہرۃ، وہ یہ ہیں) تمھاری بیبیوں کی مائیں (اس میں زوجہ کے سب مؤنث اصول آگئے) اور تمھاری بیبیوں کی بیٹیاں (اس میں زوجہ کے سب مؤنث فروع آگئے) جو کہ (عادۃً) تمھاری پرورش میں رہتی ہیں (مگر اس میں ایک قید بھی ہے، وہ یہ کہ وہ لڑکیاں) ان بیبیوں سے (ہوں) کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو (یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کرنے سے اس کی لڑکی حرام نہیں ہوتی، بلکہ جب اس عورت سے صحبت بھی ہو جائے تب لڑکی حرام ہوتی ہے) اور اگر (ہنوز) تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو (گو نکاح ہو چکا ہو) تو (ایسی بی بی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں) تم کو کوئی گناہ نہیں، اور تمھاری ان بیٹوں کی بیبیاں (بھی حرام ہیں) جو کہ تمھاری نسل سے ہوں (اس میں سب مذکر فروع کی بیبیاں آگئیں، اور نسل کی قید کا مطلب یہ ہے کہ متبنیٰ بولے یعنی لے پالک جس کو متبنیٰ کہتے ہیں اس کی بی بی حرام نہیں) اور یہ (امر بھی حرام ہے) کہ تم (دو بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسبی اپنے نکاح میں) ایک ساتھ رکھو لیکن جو (اس حکم سے) پہلے ہو چکا (وہ معاف ہے) بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں (کہ رحمت سے گناہ معاف کر دیتے ہیں) اور

(قسم چہارم) وہ عورتیں ہیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر (اس قسم میں وہ مستثنیٰ ہیں) جو کہ (شرعاً) تمھاری مملوک ہو جائیں (اور ان کے حربی شوہر دارالحرب میں موجود ہوں) اور بعد ایک حیض آجانے یا وضع حمل کے حلال ہیں، کذا فی الہدایہ) اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو

تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور (باقی) عورتیں تمھارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے (نکاح میں لانا) چاہو (یعنی مہر ہونا نکاح میں ضرور ہے اور) اس طرح کہ تم (ان کو) بیوی بناؤ (جس کی شرطیں شرع میں مشہور ہیں، مثلاً گواہ بھی ہوں وہ نکاح موقت بھی نہ ہو، وغیرہ) صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو (اس کے عموم میں زنا اور متعہ سب داخل ہو گیا، گو اس میں بھی مال خرچ کیا جاتا ہے) پھر (نکاح ہو جانے کے بعد) جس طریق سے (منجملہ طرق شرعیہ معتبرہ کے) تم ان عورتوں سے منتفع ہوئے ہو سو ان کو ان کے عوض) انکے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں اور (یہ نہ سمجھو کہ اس مقررہ میں کسی طرح مثل نماز و روزہ کے کمی بیشی تمھارے ذمہ نہ ہو بلکہ) مقرر ہونے کے بعد بھی جس (مقدار) پر تم (میاں بیوی) باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں (مثلاً خاوند نے اور مہر بڑھا دیا یا عورت نے کم کر دیا، یا معاف ہی کر دیا، ہر طرح درست ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں (تمھاری مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں) بڑے حکمت والے ہیں (ان مصلحتوں کی رعایت سے احکام مقرر فرمائے ہیں، گو کہیں تمھاری سمجھ میں نہ آوے)۔

معارف و مسائل

ان آیات میں محرمات یعنی ان عورتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن سے نکاح حرام ہے پھر بعض محرمات تو وہ ہیں جو کسی حال میں حلال نہیں ہوتیں، جنھیں محرمات ابدیہ کہا جاتا ہے اور بعض محرمات ابدیہ نہیں ہیں وہ بعض حالتوں میں حلال بھی ہو جاتی ہیں۔

شروع کی تین قسمیں محرمات نسبیہ، محرمات رضاعیہ اور محرمات بالمصاہرۃ، محرمات ابدیہ ہیں، اور آخر کی ایک قسم منکوحہ عورتیں اس وقت تک کے لئے حرام ہیں جب تک وہ غیر کے نکاح میں ہیں:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ، جاہلیت کے زمانہ میں اس میں کوئی باک نہیں کیا جاتا تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے، اس آیت میں اللہ پاک نے اس بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے منع فرمایا اور اس کو موجب مقت یعنی خدائے پاک کی ناراضگی کا باعث بتایا، ظاہر ہے کہ یہ کیسی جہلاق کی موت اور کردار کی خرابی ہے کہ جس کو ایک عرصہ تک ماں کہتے رہے، اس کو باپ کی موت کے بعد بیوی بنا کر رکھ لیا۔

مسئلہ: آیت شریفہ میں باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے،

اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی ہے کہ باپ نے ان سے وطی بھی کی ہو، لہٰذا کسی بھی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کے لئے نکاح کبھی بھی حلال نہیں۔

اسی طرح سے بیٹے کی بیوی سے باپ کو نکاح کرنا درست نہیں، اگرچہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہے، قَالَ الشَّامِیُ وَتَحْرُمُ زَوْجَۃُ الْاَصْلِ وَالْفَرْعِ بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ دَخَلَ بِھَا اَوْلَا۔

مسئلہ: اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا ہو تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ، یعنی اپنی والدہ سے نکاح کرنا حرام ہے، اور لفظ اُمَّھٰتُکُمْ کے عموم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں۔

وَبَنٰتُکُمْ، اپنی صلبی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے، اور لڑکی کی لڑکی سے بھی، اور بیٹے کی لڑکی سے بھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بیٹی، پوتی، پرپوتی، نواسی، پڑنواسی، ان سب سے نکاح کرنا حرام ہے، اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو اور بیوی ساتھ لائی ہو اس سے نکاح کرنے کی تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے، اور جو لڑکا لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لے کر پال لیا ہو ان سے اور ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے حرمت نہ آئی ہو، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے اس سے بھی نکاح درست نہیں۔

وَاَخَوٰتُکُمْ، اپنی حقیقی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے، اور اس بہن سے بھی جو علاتی (باپ شریک) اور اس بہن سے بھی جو اخیافی (ماں شریک) ہو۔

وَعَمّٰتُکُمْ، اپنے باپ کی حقیقی بہن، علاتی، اخیافی بہن، ان تینوں سے نکاح حرام ہے، غرض کہ تینوں طرح کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

وَخٰلٰتُکُمْ، اپنی والدہ کی بہن حقیقی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی، ہر ایک سے نکاح حرام ہے۔

وَبَنٰتُ الْاَخِ، بھائی کی لڑکیوں، یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے، حقیقی ہو علاتی ہو یا اخیافی ہو، تینوں طرح کے بھائیوں کی لڑکیوں سے نکاح حلال نہیں ہے۔

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ، بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے، اور یہاں بھی وہی تعمیم ہے کہ بہنیں خواہ حقیقی ہوں، علاتی ہوں یا اخیافی ان کی لڑکیاں شرعاً

نکاح میں نہیں آسکتیں۔

وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ، جن عورتوں کا دودھ پیا ہے اگرچہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمتِ نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہیں، اور ان سے بھی نکاح حرام ہے، تھوڑا سا دودھ پیا ہو یا زیادہ، ایک مرتبہ پیا ہو یا متعدد دفعہ پیا ہو، ہر صورت میں یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حرمتِ رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

البتہ اتنی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمتِ رضاعت اُسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو بچپن میں دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الرَّضَاعَۃُ مِنَ الْمَجَاعَۃِ، یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی، وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی جو زمانہ میں دودھ پینے ہی سے بچے کا نشوونما ہوتا ہے (بخاری و مسلم)

اور یہ مدت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچے کی پیدائش سے لیکر ڈھائی سال تک ہے اور دیگر فقہاء کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہؒ کے مخصوص شاگرد امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ بھی ہیں، صرف دو سال کی مدت تک رضاعت ثابت ہو سکتی ہے اور اسی پر امام محمدؒ کا فتویٰ بھی ہے اگر کسی لڑکے لڑکی نے اس عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ، یعنی رضاعت کے رشتہ سے جو بہنیں ہیں ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے، تفصیل اس کی یوں ہے کہ جب کسی لڑکی یا لڑکے نے ایامِ رضاع میں کسی عورت کا دودھ پی لیا، وہ عورت ان کی رضاعی والدہ بن گئی، اور اس عورت کا شوہر اس کا باپ بن گیا، اور اس عورت کی نسبی اولاد اس کے بہن بھائی بن گئے، اور اس عورت کی بہنیں ان کی خالائیں بن گئیں، اور اس عورت کا جیٹھ دیور ان بچوں کے رضاعی چچا بن گئے، اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں، اور باہم ان سب میں حرمتِ رضاعت ثابت ہو گئی، نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے رضاع کے رشتہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا یَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَۃِ (بخاری) اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے، اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ (بحوالہ مشکوٰۃ، ص ۲۷۳)

مسئلہ: اگر ایک لڑکے کو ایک لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، اسی طرح رضاعی بھائی اور رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے، اور نسبی بہن

کی رضاعی ماں سے بھی حلال ہے، اور رضاعی بہن کی نسبی بہن سے بھی اور نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

مسئلہ: منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاع میں دودھ اندر جانے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، اور اگر اور کسی راستہ سے دودھ اندر پہنچا دیا جائے، یا دودھ کا انجکشن دے دیا جائے تو حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: عورت کے دودھ کے علاوہ کسی اور دودھ (مثلاً چوپائے کا دودھ یا کسی مرد کا) سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ: دودھ اگر دوا میں، یا بکری، گائے، بھینس کے دودھ میں ملا ہوا ہو تو اس سے حرمتِ رضاعت اس وقت ثابت ہوگی، جب کہ عورت کا دودھ غالب ہو، اور اگر دونوں برابر ہوں تب بھی حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے، لیکن اگر عورت کا دودھ کم ہے تو یہ حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر مرد کے دودھ نکل آئے تو اس سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر دودھ پینے کا شک ہو تو اس سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کسی عورت نے کسی بچے کے منہ میں پستان دیا، لیکن دودھ جانے کا یقین نہ ہو تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی اور نکاح کی حلت پر اس کا اثر نہ پڑے گا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا، اور کسی اور عورت نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اگر دونوں اس کی تصدیق کریں تو نکاح کے فاسد ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے گا، اور اگر یہ دونوں اس کی تکذیب کریں اور عورت دیندار خدا ترس ہو تو فسادِ نکاح کا فیصلہ نہ ہوگا، لیکن طلاق دے کر مفارقت کر لینا پھر بھی افضل ہے۔

مسئلہ: حرمت رضاع کے ثبوت کے لئے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے، ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی، لیکن چونکہ معاملہ حرام حلال سے متعلق ہے، اس لئے احتیاط کرنا افضل ہے، حتیٰ کہ بعض فقہاء نے یہ تفصیل لکھی کہ اگر کسی عورت سے نکاح کرنا ہو اور ایک دیندار مرد گواہی دے کہ یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں تو نکاح کرنا جائز نہیں، اور اگر نکاح کے بعد ہو تو احتیاط جدا ہونے میں ہے، بلکہ اگر ایک عورت بھی کہہ دے تب بھی احتیاط اسی میں ہے کہ مفارقت اختیار کر لیں۔

مسئلہ: جس طرح دو دیندار مردوں کی گواہی سے حرمتِ رضاع ثابت ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتوں کی گواہی سے بھی اس کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر نصابِ شہادت پورا نہ ہو تب بھی شک سے بچنے کے لئے حرمت کو ترجیح دی جائے۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ، بیویوں کی مائیں بھی شوہروں پر حرام ہیں، یہاں بھی امہات میں تفصیل ہے۔

اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں نسبی ہوں یا رضاعی سب داخل ہیں۔

مسئلہ: جس طرح منکوحہ بیوی کی ماں حرام ہے، اسی طرح اُس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی ہو یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہے۔

مسئلہ: نفسِ نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہو جاتی ہے، حرمت کے لئے دخول وغیرہ ضروری نہیں۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ، جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہمبستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے اسی طرح اس کی پوتی، نواسی حرام ہو گئیں، ان سے نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن اگر ہمبستری نہیں کی، صرف نکاح ہوا تو صرف نکاح سے مذکورہ قسمیں حرام نہیں ہو جاتیں، لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت کے ساتھ چھوا، یا اس کے اندامِ نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہمبستری کے حکم میں ہے، اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: یہاں بھی نسب کم میں تعمیم ہے، لہٰذا اس عورت کی لڑکی پوتی اور نواسی بھی حرام ہو گئیں، جس کے ساتھ شبہ میں ہمبستری کی ہو یا اس کے ساتھ زنا کیا ہو۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ، بیٹے کی بیوی حرام ہے، اور بیٹے کے عموم میں پوتا، نواسا بھی داخل ہیں، لہٰذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

مِنْ اَصْلَابِكُمْ کی قید سے متبنّیٰ (لے پالک) کو نکالنا مقصود ہے، اس کی بیوی سے نکاح حلال ہے، اور رضاعی بیٹا بھی نسبی بیٹے کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ، دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے، حقیقی بہنیں ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی، نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں، یہ حکم سب کو شامل ہے، البتہ طلاق ہو جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے لیکن یہ جواز عدت گزرنے کے بعد ہے عدت کے دوران نکاح جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْءَۃِ وَعَمَّتِہَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْءَۃِ وَخَالَتِہَا (بخاری ومسلم)

مسئلہ: فقہائے کرام نے بطور قاعدۂ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مذکر فرض کیا جائے تو شرعاً ان دونوں کا آپس میں نکاح درست نہ ہو، اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ، یعنی جاہلیت میں جو کچھ ہوتا رہا اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، یہ الفاظ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ کی آیت میں بھی ذکر ہوئے ہیں، اور وہاں پر بھی یہی معنی ہیں کہ کہ جاہلیت میں جو کچھ تم سے صادر ہوا سو ہوا، اب اسلام لانے کے بعد اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، ہاں آئندہ کے لئے اجتناب لازم ہے۔

اسی طرح اگر نزولِ تحریم کے اس وقت میں باپ کی منکوحہ یا دو بہنیں نکاح میں ہوں تو تفریق ضروری ہے، اور دو بہنوں کی صورت میں ایک بہن کو الگ کر دینا لازم ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبردہ بن نیارؓ کو ایک آدمی کے قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس لئے کہ اس شخص نے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا (مشکوٰۃ، ص ۲۷۴)

ابن فیروز دیلمیؓ کی روایت ہے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں اسلام لے آیا تو دو بہنیں میرے نکاح میں تھیں، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا ان میں سے ایک کو طلاق دے کر جدا کر دو، اور ایک کو باقی رکھ لو (حوالہ بالا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح حالتِ اسلام میں ابتداءً منکوحۃ الاب اور جمع بین الاختین جائز نہیں، اسی طرح اگر حالتِ کفر میں نکاح کی یہ صورت واقع ہوئی ہو تو اسلام لانے کے بعد اس کو باقی رکھنا جائز نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا، اسلام سے پہلے جو کچھ انھوں نے حماقت میں کیا، اب اسلام لانے کے بعد اللہ جل شانہٗ ان سے درگذر کرے گا، اور ان کی طرف اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہوگا۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ، یعنی شوہر والی عورتیں بھی حرام کی گئیں جب تک کوئی عورت کسی شخص کے نکاح میں ہو، دوسرا شخص اس سے نکاح نہیں کر سکتا، اس سے واضح

طور پر معلوم ہوا کہ ایک عورت بیک وقت ایک سے زائد شوہر والی نہیں ہو سکتی ہے، اس دور کے بعض جاہل ملحد کہنے لگے ہیں کہ مردوں کو جب ایک سے زائد بیویوں کی اجازت ہے تو عورتوں کو بھی ایک سے زائد شوہروں سے متمتع ہونے کی اجازت ملنی چاہئے، یہ مطالبہ اس آیت شریفہ کے بالکل خلاف ہے، ایسی جاہلانہ باتیں کرنے والے لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ مرد کے لئے کثرتِ ازدواج ایک نعمت ہے، جسے ہر مذہب و ملت میں جائز قرار دیا گیا ہے، جس پر انسان کی تاریخ شاہد ہے، لیکن عورت کے لئے ایک وقت میں ایک سے زائد شوہر ہونا، اس عورت کے لئے بھی باعثِ مصیبت ہے، اور جو دو مرد ایک عورت کے شوہر بن جائیں، ان کے لئے بھی باعثِ ننگ و عار ہے، اور سراسر بے شرمی ہے، نیز اس میں کسی بچہ کے ثابت النسب ہونے کا بھی کوئی راستہ باقی نہیں رہتا، جب کئی مرد کسی عورت سے استمتاع کریں گے تو پیدا ہونے والی اولاد کو ان میں سے کسی ایک کا بیٹا تجویز کرنے کا کوئی طریق باقی نہ رہے گا، اس طرح کا بدترین مطالبہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو انسانیت کے سراپا دشمن ہوں، اور جن کی غیرت و حیا کا جنازہ نکل چکا ہو، ایسے لوگ اولاد اور والدین کے حقوق کی لائن سے وجود میں آنے والی رحمتوں سے پوری انسانیت کو محروم کرنے کی حمایت میں لگے ہوئے ہیں، جب نسب ثابت نہیں ہوگا تو باہمی حقوق و فرائض کی ذمہ داری کس پر عائد کی جائے گی؟

خالص طبعی اور عقلی اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تو ایک عورت کے لئے متعدد شوہر ہونے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا:

۱۔ ازدواج کا بنیادی مقصد تناسل ہے، اس اعتبار سے متعدد عورتیں تو ایک مرد سے حاملہ ہو سکتی ہیں، لیکن ایک عورت متعدد مردوں سے حاملہ نہیں ہو سکتی وہ ایک ہی سے حاملہ ہوگی، اس لئے متعدد شوہروں کی صورت میں ایک کے علاوہ باقی شوہروں کی قوت ضائع گئی، شہوت رانی کے سوا ان کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔

۲۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں صنفِ نازک ہے وہ سال کے اکثر حصہ میں استمتاع کے بھی قابل نہیں رہتی، بعض حالات میں اس کے لئے ایک ہی شوہر کے حقوق پورے کرنا ممکن نہیں ہوتا، چہ جائیکہ ایک سے زیادہ شوہر ہوں۔

۳۔ چونکہ مرد جسمانی قوت کے اعتبار سے عورت کے مقابلہ میں زیادہ صحت مند ہے، اس لئے اگر کسی مرد کی جنسی قوت معمول سے زیادہ ہو، اور ایک عورت سے اس کی تشفی نہ ہو سکتی ہو تو اسے جائز طریقہ سے دوسرے اور تیسرے نکاح کا موقع ملنا چاہئے، ورنہ وہ دوسرے ناجائز طریقے اختیار کرے گا، اور پورے معاشرے کو بگاڑ دے گا، لیکن عورت سے ایسے بگاڑ کا اندیشہ نہیں ہے۔

شریعت اسلامیہ میں اس مسئلہ کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ نہ صرف کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کے دوسرے نکاح کو حرام قرار دیا ہے بلکہ کسی عورت کا کوئی شوہر طلاق دیدے یا مرجائے تو اس کی عدت گذرنے تک بھی کسی دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یہ جملہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ سے استثناء ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر والی بیوی سے کسی دوسرے شخص کو نکاح کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی عورت مملوکہ باندی ہو کر آجائے، جس کی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں نے دارالحرب کے کافروں سے جہاد کیا، اور وہاں سے کچھ عورتیں قید کرکے لے آئے، ان عورتوں میں جو عورت دارالاسلام میں لائی گئی اور اس کا شوہر دارالحرب میں رہ گیا، تو اس عورت کا نکاح دارالاسلام میں آنے سے اپنے سابق شوہر سے ختم ہوگیا، اب یہ عورت اگر کتابیہ یا مسلمہ ہو تو اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مسلمان نکاح کرسکتا ہے، اور اگر امیر المؤمنین اس کو باندی بنا کر کسی فوجی سپاہی کو مال غنیمت کی تقسیم میں دیدے تب بھی اس سے استمتاع جائز ہے ——— لیکن یہ نکاح واستمتاع ایک حیض آنے کے بعد ہی جائز ہے، اور اگر حمل ہے تو وضع حمل ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کافر عورت دارالحرب میں مسلمان ہوجائے، اور اس کا شوہر کافر ہے تو تین حیض گذرنے کے بعد وہ اس کے نکاح سے جدا ہوجائے گی۔

مسئلہ: اور اگر دارالاسلام میں کوئی کافر عورت مسلمان ہوجائے، اور اس کا شوہر کافر ہو، تو حاکم شرع اس کے شوہر پر اسلام پیش کرے، اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کرے تو قاضی ان دونوں میں تفریق کردے، اور یہ تفریق طلاق شمار ہوگی، اس کے بعد عدت گذار کر وہ عورت کسی مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ، یعنی جن محرمات کا ذکر ہوا ان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے، قال القرطبی ای حرمت هٰذه النسآء كتابا من الله عليكم۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ، یعنی جو محرمات اب تک مذکور ہوئیں، ان کے علاوہ [illegible] دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، مثلاً چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی، ماموں زاد بہن، ماموں [illegible] دیدے یا وفات پاجائے، [illegible] میں بنتی ہیں، ان سب کو مَا [illegible] بیوی مرجائے تو اس کی بہن کے ساتھ ——— وغیرہ ——— بے شمار صورتیں بنتی ہیں، ان سب کو مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ کے عموم میں داخل فرمادیا۔

مسئلہ: بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں، اس کا

اس آیت میں استمتاع سے بیویوں سے ہمبستر ہونا اور وطی کرنا مراد ہے، اگر محض نکاح ہوجائے اور رخصتی نہ ہو اور شوہر کو استمتاع کا موقع نہ ملے، بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق

ہوجائے اور رخصتی نہ ہو اور شوہر کو استمتاع کا موقع نہ ملے، بلکہ وہ اس سے پہلے ہی طلاق دیدے تو آدھا مہر واجب ہوتا ہے، اور اگر استمتاع کا موقع مل جائے تو پورا مہر واجب ہوجاتا ہے، اس آیت میں خصوصی توجہ دلائی ہے کہ جب کسی عورت سے استمتاع کرلیا تو اس کا مہر دینا

تفصیلی بیان سورۃ نسآء کے شروع میں گذر چکا ہے، قریب کی آیات میں اس کا ذکر نہ دیکھ کر کسی کو یہ مغالطہ نہ ہوجائے کہ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ کے عموم میں بغیر کسی پابندی کے عورتوں سے نکاح جائز ہے، نیز بہت سی محرمات وہ ہیں جن کا ذکر احادیث شریفہ میں ہے، اور ان کی طرف آیات میں اشارات بھی ہیں، جن کو ہم تفسیر کے ذیل میں ذکر کرتے چلے آئے ہیں۔

اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ، یعنی محرمات کا یہ بیان تمہارے لئے اس لئے کیا گیا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں تلاش کرو، اور ان کو اپنے نکاح میں لاؤ۔

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ نکاح مہر سے خالی نہیں ہوسکتا (حتی کہ اگر زوجین آپس میں یہ طے کرلیں کہ نکاح بغیر مہر کے ہوگا تب بھی مہر لازم ہوگا، جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) دوسرے یہ بات معلوم ہوئی کہ مہر وہ چیز ہونی چاہئے جس کو مال کہا جاسکے۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دس درہم سے کم مہر نہیں ہونا چاہئے، ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ، یعنی اپنے مالوں کے ذریعہ حلال عورتیں طلب کرو اور یہ سمجھ لو کہ عورتوں کی تلاش عفت وعصمت کے لئے ہے جو نکاح کا اہم مقصد ہے، اور نکاح کے ذریعہ اس چیز کو حاصل کرو، مال خرچ کرکے زنا کے لئے عورتیں تلاش نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ اگرچہ زناکار بھی مال خرچ کرتے ہیں، لیکن وہ مال خرچ کرنا بھی حرام ہے، اور اس مال کے ذریعہ جو عورت حاصل کی جائے اس سے استمتاع حلال نہیں ہوتا۔

لفظ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ بڑھا کر زنا کی ممانعت فرماتے ہوئے اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ زنا میں صرف شہوت رانی، سفح ماء، پانی بہانا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ اس سے طلب الولد اور ابقاء النسل کا ارادہ نہیں ہوتا، مسلمانوں کو پاک دامن رہنے اور تکثیر نسل انسانی کے لئے اپنی قوت کو برمحل خرچ کرنا چاہئے، جس کا طریقہ ملک نکاح اور ملک یمین ہے۔

[illegible] فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ [illegible] فَرِيْضَةً، یعنی نکاح کے بعد [illegible] پچھلی [illegible] محرم نہ ہوں، اور اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی، جب وہ طلاق [illegible] وغیرہ ——— بے شمار صو[illegible]

سے مانوس ہوں اور اس نکاح کو قابل نفرت نہ سمجھیں۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، یعنی باندیوں سے نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے کرو، اگر وہ اجازت نہ دیں تو باندیوں کا نکاح صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ باندی کو خود اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، یہی حکم غلام کا بھی ہے، کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا کہ باندیوں سے نکاح کرو تو ان کے مہر خوبی کے ساتھ ادا کر دو، یعنی ٹال مٹول نہ کرو اور پورا ادا کر دو، باندی سمجھ کر اس بارے میں تکلیف نہ دو۔

اس سلسلہ میں امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ مہر باندی کا حق ہے، اور دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ باندی کے مہر میں جو مال ملے اس کا مالک بھی باندی کا آقا ہے۔

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ، یعنی مؤمن باندیوں سے نکاح کرو اس حال میں کہ وہ پاک دامن ہوں، نہ وہ مسافحات ہوں (یعنی علانیہ زنا کرنے والی) اور نہ خفیہ طریقہ پر آشنا رکھنے والی ہو، گو اس جگہ پر باندیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ نکاح کے لئے پاک دامن باندیوں کو تلاش کرو، لیکن آزاد عورت جو زانیہ ہو اس سے نکاح سے بچنا بھی افضل اور بہتر ہے۔

جیسا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حرّہ کے ساتھ نکاح کی قدرت نہ ہو تو باندی کے ساتھ نکاح کرو، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ متعہ جائز نہیں، اس لئے کہ اگر متعہ جائز ہوتا تو حرّہ کے ساتھ نکاح کے عدم استطاعت کی صورت میں کسی شخص کے لئے آسان ترین صورت متعہ کرنے کی تھی کہ اس میں جنسی خواہش بھی پوری ہو جاتی، اور مالی بوجھ بھی نکاح کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا۔

نیز آیت میں مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ کے ساتھ باندیوں کی صفت بیان کی گئی ہے، اور متعہ کی صورت میں سفاح ہی سفاح ہوتا ہے، کہ ایک عورت قلیل مدت میں متعدد اشخاص کے استعمال میں آتی ہے، اور چونکہ بچہ کسی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، اس لئے تناسل کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور سب کی قوت صرف شہوت رانی میں ضائع چلی جاتی ہے۔

پھر فرمایا فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ، یعنی جب باندیاں نکاح میں آگئیں، اور ان کے پاک دامن رہنے کا انتظام ہو گیا تو اب اگر زنا کر بیٹھیں تو ان کو اس سزا سے آدھی سزا ملے گی جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے، اس سے غیر شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہیں، غیر شادی شدہ آزاد مرد و عورت سے اگر زنا کا صدور ہو جائے تو اس کو تنو کوڑے لگائے جائیں گے، جس کا ذکر سورۂ نور کی

دوسری آیت میں ہے، اور جو کوئی شادی شدہ مرد و عورت زنا کرلے تو اس کی سزا رجم ہے یعنی پتھروں سے مار مار کر قتل کر دیا جائے گا، چونکہ اس میں تنصیف نہیں ہو سکتی، اس لئے چاروں اماموں کا مذہب یہی ہے کہ غلام یا باندی خواہ شادی شدہ ہوں خواہ کنوارے ہوں اگر ان سے زنا سرزد ہو جائے تو ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں، باندیوں کا حکم تو آیت شریفہ میں مذکور ہے، اور بطور دلالۃ النص غلام کا مسئلہ بھی اسی سے سمجھ میں آرہا ہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ، یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جس کو زنا میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ، یعنی باوجود اندیشۂ زنا کے بھی اگر صبر کرو اور اپنے نفسوں کو پاک دامن رکھ سکو تو یہ تمہارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ باندیوں سے نکاح کرو۔

آیت کے ختم پر فرمایا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ، یعنی باندیوں سے نکاح کرنا مکروہ ہے، اگر اس کراہت پر عمل کرو گے تب بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے، اور وہ رحم والا بھی ہے کیونکہ اس نے باندیوں سے نکاح کی اجازت دیدی، اور اس کو ممنوع قرار نہیں دیا۔

فائدہ: آیت بالا کی تفسیر میں جو غلام و باندی کا ذکر آیا ہے ان سے شرعی غلام و باندی مراد ہیں، جو کافر مرد و عورت جہاد کے موقع پر قید کر لئے جاتے تھے، اور امیر المؤمنین ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا تھا، یہ قیدی غلام باندی بن جاتے تھے، پھر ان کی نسل بھی غلام رہتی تھی (باستثناء بعض صورتوں کے) جن کا تفصیلی ذکر فقہ کی کتابوں میں ہے، جب سے مسلمانوں نے شرعی طور پر جہاد کرنا چھوڑ دیا ہے، اور اپنے جہاد اور صلح و جنگ کا مدار دشمنانِ دین کے اشاروں پر رکھ دیا ہے، اور غیر شرعی اصولوں کے پابند ہو گئے ہیں اُس وقت سے غلام اور باندی سے بھی محروم ہو گئے، موجودہ نوکر چاکر اور گھروں میں کام کرنے والی نوکرانیاں غلام باندی نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ آزاد ہیں۔

بعض علاقوں میں بچوں کو بیچ دیتے ہیں اور غلام بنا لیتے ہیں، یہ سراسر حرام ہے، اور ایسا کرنے سے یہ غلام باندی نہیں بن جاتے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ

اللہ چاہتا ہے کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو پہلوں

قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ

کی راہ اور معاف کرے تم کو اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا اور اللہ چاہتا ہے

أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ

کہ تم پر متوجہ ہو دے اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو لگے ہوئے ہیں اپنے مزوں کے پیچھے

أَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ

کہ تم پھر جاؤ راہ سے بہت دور اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے

وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اور انسان بنا ہے کمزور۔

ربطِ آیات ماقبل کی آیتوں میں احکام کی تفصیل مذکور ہوئی، ان آیتوں میں اللہ جل شانہٗ اپنا انعام واحسان بتلاتے ہیں، اور یہ کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہارے ہی منافع ومصالح کی رعایت رکھی گئی ہے، اگرچہ تم اس کی تفصیل کو نہ سمجھو، پھر اس کے ساتھ ہی ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے، اور گمراہوں کے ناپاک ارادوں پر بھی متنبہ کیا گیا، کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں، جو تمہیں مستقیم راستہ سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔

خلاصۂ تفسیر

اللہ تعالیٰ کو (ان مضامین مذکورہ کے ارشاد فرمانے سے اسی طرح دوسرے مضامین سے اپنا کوئی نفع مقصود نہیں کہ یہ محال عقلی ہے بلکہ تم کو نفع پہنچانے کے لئے) یہ منظور ہے کہ (آیات احکام میں تو) تم سے (تمہاری مصلحت کے احکام) بیان کر دے اور (آیات قصص میں) تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتلا دے (تاکہ تم کو اتباع کی رغبت اور مخالفت سے خوف ہو) اور (خلاصۂ مشترک مقصود یہ ہے کہ) تم پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرما دے (اور وہ توجہ بھی بیان فرمانا اور بتلانا ہے جس میں سراسر بندوں ہی کا نفع ہے جیسا مذکور ہوا) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، (کہ بندوں کی مصلحت جانتے ہیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ بلا وجوب ان مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو (بیان احکام وقصص سے جیسا ابھی مذکور ہوا) تمہارے حال پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمانا منظور ہے، اور جو لوگ (کفار وفجار میں سے) شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم (راہ راست سے) بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ (اور انہی جیسے ہو جاؤ) چنانچہ وہ اپنے فاسد خیالات مسلمانوں کے کانوں میں ڈالتے رہتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کو احکام میں جس طرح تمہاری مصلحت پر نظر ہے اسی طرح تمہاری آسانی پر بھی نظر ہے، جیسا ارشاد ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو (احکام میں) تمہارے ساتھ تخفیف (یعنی آسانی بھی)

منظور ہے اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) آدمی (بہ نسبت اور مکلفین کے) بدن اور ہمت دونوں میں کمزور پیدا کیا گیا ہے (اس لئے اس کے ضعف کے مناسب احکام مقرر فرماتے ہیں، وہ باعتبار رعایت مصلحت کے اعمالِ شاقہ کا تجویز کیا جانا بھی مضائقہ نہ تھا، مگر ہم نے دونوں امر کا مجموعا لحاظ فرمایا اور یہ بڑے علم وحکمت اور نیز رحمت وشفقت پر موقوف ہے)۔

معارف ومسائل

نکاح کے بہت سے احکام بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں یہ بتایا کہ اللہ پاک واضح طور پر خوب کھول کر تمہیں احکام بتاتے ہیں، اور انبیاء کرامؑ اور صالحین عظامؒ جو پہلے گذرے ہیں ان کے طریق کی رہبری فرماتے ہیں، تم یہ نہ سمجھو کہ یہ حرام وحلال کی تفصیلات صرف ہمارے ہی لئے ہے، بلکہ تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان کو بھی اس طرح کے احکام بتائے گئے تھے، جنھوں نے عمل کیا، وہ مستحق بنیں بارگاہِ خداوندی ہوئے۔

جو لوگ متبع شہوات ہیں یعنی زناکار اور وہ قومیں اور اصحاب مذاہب باطلہ جن کے نزدیک حرام حلال کوئی چیز نہیں وہ تم کو بھی راہِ حق سے ہٹا کر اپنے باطل ارادوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے ہوشیار رہنا، بعض مذہبوں میں اپنی محرم عورتوں سے بھی نکاح کر لینا درست ہے، اور بہت سے ملحدین اس دور میں نکاح کو ختم کرنے ہی کے حق میں ہیں، اور بعض ممالک میں عورت کو متاعِ مشترک قرار دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں، یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو سراپا نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہیں، اسلام کا کلمہ پڑھنے والے بعض ضعیف الایمان لوگ جو ان ملحدوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کی باتوں میں آکر اپنے دین کو فرسودہ خیال کرنے لگتے ہیں، اور دشمنوں کی باتوں کو انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں، اور نادانستہ طور پر اس خام خیالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ ماڈرن نظریات کے حامی ہیں کاش: ہمارا دین بھی اس کی اجازت دیتا، العیاذ باللہ! اللہ پاک نے تنبیہ فرمائی ہے کہ تم لوگ ایسے بدطینت انسانوں کے نظریات کو اپنانے سے دور رہنا۔

پھر فرمایا یُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ، یعنی اللہ پاک تم پر تخفیف اور ہلکے احکام کا ارادہ فرماتے ہیں، تمہاری دقتیں دور کرنے کے لئے نکاح کے بارے میں ایسے نرم احکام دیئے جن پر سب عمل پیرا ہو سکتے ہیں، اور اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو باندیوں سے نکاح کی اجازت دیدی ہے، مہر کے بارے میں طرفین کو باہمی رضامندی سے طے کرنے کا اختیار دیا اور ضرورت کے وقت ایک سے زائد عورت سے بھی نکاح کی اجازت دی گئی، بشرطیکہ

عدل ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

پھر فرمایا وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا یعنی انسان خلقی طور پر ضعیف ہے، اور اس کے اندر شہوانی مادہ رکھ گیا ہے، اگر بالکل ہی عورتوں سے دور رہنے کا حکم دیا جاتا تو اطاعت اور فرمانبرداری کرنے سے عاجز رہ جاتا، اس کے عجز و ضعف کے پیش نظر عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب دی، اور نکاح کے بعد آپس میں جو ایک دوسرے کو نفس اور نظر کی پاکیزگی کا نفع اور دوسرے فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے طرفین کو تقویت پہنچتی ہے، پس نکاح ضعف کے دور کرنے کا باہمی معاہدہ اور ایک بے مثال طریقہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا

مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے اور نہ خون کرو

اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

آپس میں بیشک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو کوئی یہ کام کرے

عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي

تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ

اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

پر آسان ہے۔

رَبطِ آیات شروع سورۂ نساء میں تمام انسانوں کا ایک ماں باپ سے پیدا ہونا اور سب کا ایک رشتۂ اخوت میں جکڑے رہنا بیان فرما کر عام انسانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی ادائیگی کی طرف اجمالی اشارہ فرمایا، پھر یتیموں اور عورتوں کا تفصیلی بیان آیا، پھر میراث کے احکام کا بیان ہوا، جس میں یتیموں، عورتوں کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تاکید آئی، اس کے بعد نکاح کے احکام آئے کہ کس عورت سے نکاح حلال ہے کس سے حرام، کیونکہ نکاح ایک ایسا معاملہ اور معاہدہ ہے جس سے عورت کی جان اور مال میں تصرف کرنے کا کسی کو حق ملتا ہے۔

مذکورہ آیتوں میں عام انسانوں کے جان و مال کی حفاظت اور ان میں ہر ناجائز تصرف

کرنے کی ممانعت کا بیان ہے، خواہ وہ انسان مرد ہوں یا عورتیں اور عزیز رشتہ دار ہوں یا غیر، یہاں تک کہ مسلم ہوں یا وہ غیر مسلم جن سے ترک جنگ کا کوئی معاہدہ ہو چکا ہو (کما صرح بہ المظہری)

خُلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق (یعنی غیر مباح) طور پر مت کھاؤ (ہر تو) لیکن (مباح طور پر ہو مثلاً) کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے (واقع) ہو (بشرطیکہ اس میں اور بھی سب شرائط شرعیہ ہوں) تو مضائقہ نہیں (یہ تو مالی تصرف تھا، آگے تصرف نفسی کو فرماتے ہیں) اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں (اس لئے ضرر رسانی کی صورتوں کو منع فرما دیا، بالخصوص جبکہ اس میں یہ اثر ہو کر دوسرا شخص پھر تم کو ضرر پہنچا دے گا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ تم کو بھی ضرر سے بچا لیا) اور (چونکہ قتل ان دونوں امروں میں اشد ہے اس لئے اس پر بالخصوص وعید سناتے ہیں کہ) جو شخص ایسا فعل (یعنی قتل) کرے گا اس طور پر کہ حد (شرع) سے گذر جائے اور (وہ گذرنا بھی خطاء فعل یا خطاء رائے سے نہ ہو بلکہ) اس طور پر کہ (قصداً) ظلم کرے تو ہم عنقریب (یعنی بعد الموت) اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کریں گے اور یہ امر (یعنی ایسی سزا دینا) خدا تعالیٰ کو (بالکل) آسان ہے (کچھ اہتمام کی حاجت نہیں جس میں اس احتمال کی گنجائش ہو کہ شاید کسی وقت اہتمام و سامان جمع نہ ہو تو سزا ٹل جائے گی)۔

معارف و مسائل

جس طرح باطل طریقہ سے غیر کا مال کھانا جائز نہیں خود اپنا مال بھی باطل طریق سے خرچ کرنا جائز نہیں

آیت کے الفاظ میں اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں "اپنے مال آپس میں" اس میں یہ بات تو باتفاق مفسرین داخل ہے ہی کہ کوئی شخص دوسرے کا مال ناجائز طریق پر نہ کھائے، ابوحیان نے تفسیر بحر محیط میں فرمایا کہ اس کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی اپنا ہی مال ناجائز طور پر کھائے، مثلاً ایسے کاموں میں خرچ کرے جو شرعاً گناہ یا اسراف بے جا ہیں، وہ بھی آیت کی رُو سے ممنوع و ناجائز ہے۔

آیت میں لَا تَاْكُلُوْٓا کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں "مت کھاؤ"۔ مگر عام محاورہ کے اعتبار سے اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کے مال میں ناحق طور پر کسی قسم کا تصرف نہ کرو، خواہ کھانے پینے کا ہو یا اسے استعمال کرنے کا، عرف عام میں کسی کے مال میں تصرف کرنے کو اس کا

کھانا ہی بولا جاتا ہے، اگرچہ وہ چیز کھانے کی نہ ہو، لفظ "باطل" جس کا ترجمہ "ناحق" سے کیا گیا ہے عبداللہ بن مسعودؓ اور جمہور صحابہؓ کے نزدیک تمام ان صورتوں پر حاوی ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، جس میں چوری، ڈاکہ، غصب، خیانت، رشوت، سود و قمار اور تمام معاملات فاسدہ داخل ہیں۔ (بحر محیط)

باطل طریقہ سے کوئی مال کھانے کی تشریح و تفصیل

قرآن کریم نے ایک لفظ بِالْبَاطِلِ فرما کر تمام ناجائز طریقوں سے حاصل کئے ہوئے مال کو حرام قرار دیدیا، پھر ان ناجائز طریقوں کی تفصیلات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ فرمائی، آپؐ نے ہر ناجائز معاملہ کی تفصیل بیان فرمادی اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو تفصیلات ناجائز خرید و فروخت یا ناجائز اجارہ وغیرہ کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مذکور ہیں وہ درحقیقت اس قرآنی حکم کی تشریح ہے، اس لئے وہ سب احکام ایک حیثیت سے قرآن ہی کے احکام ہیں، احادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں جتنے احکام شرعیہ مذکور ہوئے ہیں، سب کا عام طور پر یہی حال ہے کہ وہ کسی نہ کسی قرآنی اشارہ کی تشریح ہوتی ہے، خواہ ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو کہ یہ فلاں آیت کی تشریح ہے۔

آیت کے پہلے جملہ میں ناحق اور ناجائز طریقوں سے کسی کے مال میں تصرف کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، دوسرے جملہ میں جائز طریقوں کو حرمت سے مستثنیٰ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ، یعنی دوسروں کا وہ مال حرام نہیں جو بذریعہ تجارت باہمی رضامندی سے حاصل کیا گیا ہو۔

جائز طریقے اگرچہ تجارت کے علاوہ اور بھی ہیں، مثلاً عاریت ہبہ، صدقہ، میراث، لیکن عام طور پر ایک شخص کا مال دوسرے کے تصرف میں آنے کی معروف و جاری صورت تجارت ہی ہے۔

پھر تجارت کے معنی عام طور پر صرف بیع و شراء کے لئے جاتے ہیں، مگر تفسیر مظہری میں اجارہ یعنی ملازمت و مزدوری اور کرایہ کے معاملات کو بھی تجارت میں داخل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ بیع میں تو مال کے بدلہ میں مال حاصل کیا جاتا ہے، اور اجارہ میں محنت و خدمت کے بدلہ میں مال حاصل ہوتا ہے، لفظ تجارت ان دونوں کو حاوی ہے۔

مضمون آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کا مال ناحق کھانا حرام ہے، لیکن اگر رضامندی کے ساتھ یعنی بیع و شراء یا ملازمت و مزدوری کا معاملہ ہو جائے تو اس طرح دوسرے کا مال حاصل کرنا اور اس میں مالکانہ تصرفات کرنا جائز ہے۔

کسب معاش کے ذرائع میں تجارت اور محنت سب سے افضل ہے

دوسرے کا مال حاصل کرنے کی جائز صورتوں میں سے اس آیت میں صرف تجارت کے ذکر کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کسب معاش کے ذرائع میں سے تجارت اور محنت سب سے افضل اور اطیب ذریعۂ معاش ہے، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی کمائی حلال و طیب ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ، رواہ احمد والحاکم (مظہری و ترغیب و ترہیب)	"یعنی انسان کے ہاتھ کی مزدوری اور ہر سچی بیع و شراء (جس میں جھوٹ فریب نہ ہو)"

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ (ترمذی)	"سچا تاجر جو امانت دار ہو وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا"

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، رواہ الاصبہانی (ترغیب)	"سچا تاجر قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہوگا"

پاکیزہ کمائی کے خاص شرائط

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سب سے زیادہ پاک کمائی تاجروں کی کمائی ہے، بشرطیکہ وہ جب بات کریں تو جھوٹ نہ بولیں، اور جب وعدہ کریں تو وعدہ خلافی نہ کریں، اور جب اُن کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت نہ کریں، اور جب کوئی سامان (کسی سے) خریدیں تو (تاجروں کی عادت کے مطابق) اُس سامان کو بُرا اور خراب نہ بتائیں، اور جب اپنا سامان فروخت کریں تو (واقعہ کے خلاف) اس کی تعریف نہ کریں، اور جب ان کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو ٹلائیں نہیں، اور جب اُن کا قرض کسی کے ذمہ ہو تو اس کو تنگ نہ کریں"

(اخرجہ الاصبہانی، از حاشیہ مظہری)

اسی لئے ایک حدیث میں ارشاد ہے:

اِنَّ التُّجَّارَ یُبْعَثُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقَی اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ (اَخْرَجَهُ الْحَاکِمُ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ)

"قیامت کے روز تاجر لوگ فاجروں گنہگاروں کی صف میں ہوں گے بجز اس شخص کے جو اللہ سے ڈرے اور نیکی کا معاملہ کرے، اور سچ بولے"

دوسرے کا مال حلال ہونے کے لئے تجارت اور تراضی کی دو شرطیں

آیت کے اس جملہ میں تجارت کے ساتھ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ فرما کر یہ بتلا دیا کہ جہاں تجارت ہی نہ ہو بلکہ تجارت کے نام پر جوا، سٹہ، یا ربوٰ اور سود کا معاملہ ہو یا مال ابھی موجود نہیں، محض ذہنی قرار داد پر اس کا سودا کیا گیا ہو وہ بیع باطل اور حرام ہے۔

اسی طرح اگر تجارت یعنی مبادلۂ اموال تو ہو لیکن اس میں فریقین کی رضامندی نہ ہو وہ بھی بیع فاسد اور ناجائز ہے، اور یہ دونوں صورتیں اکل اموال بالباطل میں داخل ہیں، پہلی صورت کو فقہاء بیع باطل کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور دوسری صورت کو بیع فاسد کے نام سے۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ ایک مال کا دوسرے مال سے تبادلہ کرنے کا نام تجارت ہے، اگر ان میں کسی ایک جانب مال ہو اور اس کے بالمقابل مال ہی نہ ہو تو وہ تجارت نہیں، بلکہ فریب ہے، سود کے معاملات کا یہی حال ہے کہ سود کی رقم ادھار کی میعاد کا معاوضہ ہوتا ہے، اور یہ میعاد کوئی مال نہیں، اسی طرح سٹہ، جوا کہ اس میں ایک طرف تو مال متعین موجود ہے، دوسری طرف مال کا ہونا یا نہ ہونا مشکوک ہو، اسی طرح وہ وعدے کے سودے جن میں مال ابھی تک وجود میں نہیں آیا، اور اس کا سودا کر لیا گیا تو ایک طرف مال اور دوسری طرف موہوم وعدہ ہے، اس لئے حقیقت کے اعتبار سے یہ تجارت ہی نہیں، بلکہ ایک قسم کا دھوکہ فریب ہے اسی لئے فقہاء نے اس کو بیع باطل قرار دیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں طرف سے مال اور تبادلۂ مال تو ہو، لیکن کسی ایک جانب سے رضامندی نہ ہو، یہ تجارت تو ہوئی مگر فاسد اور غلط قسم کی تجارت ہے، اس لئے اس کو بیع فاسد کہا جاتا ہے اور ناجائز ہے۔

اس تشریح سے بیع و شراء اور تجارت کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں سب نکل جاتی ہیں۔

شرط تراضی کی حقیقت

البتہ ایک تیسری قسم اور ہے جس میں طرفین سے تبادلۂ مال بھی ہے اور بظاہر فریقین کی رضامندی بھی، مگر وہ رضامندی درحقیقت مجبوری کی رضامندی ہوتی ہے

حقیقی رضامندی نہیں ہوتی، اس لئے شرعاً اس تیسری قسم کو بھی دوسری ہی قسم میں داخل قرار دیا گیا ہے، مثلاً عام ضرورت کی چیزوں کو سب طرف سے سمیٹ کر کوئی ایک شخص یا ایک کمپنی اسٹاک کرے اور پھر اس کی قیمت میں خاطر خواہ اضافہ کر کے فروخت کرنے لگے، چونکہ بازار میں دوسری جگہ ملتی نہیں، گاہک مجبور ہے کہ مہنگی سستی جیسی بھی یہ فروخت کرے وہ اس کو خریدے، اس صورت میں اگرچہ گاہک خود چل کر آتا ہے اور بظاہر رضامندی کے ساتھ خریدتا ہے، لیکن اس کی یہ رضامندی درحقیقت ایک مجبوری کے تحت ہے، اس لئے کالعدم ہے۔

اسی طرح کوئی شوہر اپنی بیوی کے ساتھ معاشرت کی ایسی صورتیں پیدا کر دے کہ وہ اپنا مہر معاف کرنے پر مجبور ہو جائے، تو گو معافی کے وقت وہ اپنی رضامندی کا اظہار کرتی ہے لیکن درحقیقت رضامندی نہیں ہوتی۔

یا کوئی آدمی جب یہ دیکھے کہ میرا جائز کام بغیر رشوت دیئے نہیں ہوگا وہ رضامندی کے ساتھ رشوت دینے کے لئے آمادہ ہو تو چونکہ یہ رضامندی بھی درحقیقت رضامندی نہیں اس لئے شرعاً کالعدم ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ سے بیع و شراء اور تجارت کی صرف انہی صورتوں کا جواز ثابت ہوا جن کا جواز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہے، اور فقہاء نے ان کو منضبط کر دیا ہے اور جتنی صورتیں بیع و شراء اور تجارت کی شرعاً ممنوع و ناجائز ہیں وہ سب اس سے خارج ہیں، قرآن کریم کے اس ایک لفظ نے فقہ کی پوری کتاب البیوع اور کتاب الاجارہ کا مجمل بیان کر دیا۔

آیت کا تیسرا جملہ ہے وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ، جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اس میں باتفاق مفسرین خودکشی بھی داخل ہے، اور یہ بھی کہ ایک دوسرے کو ناحق قتل کرے۔

آیت کے پہلے جملہ میں عام انسانوں کے مالی حقوق اور ان کی حفاظت کا بیان تھا، اس جملہ میں ان کے جانی حقوق کی حفاظت کا بیان آ گیا ——— اور اس جگہ مال کو مقدم اور جان کو مؤخر شاید اس لئے بیان فرمایا گیا کہ مالی حقوق میں ظلم و جور اور کوتاہی و غفلت بہت عام ہے، ناحق قتل و خوں ریزی اگرچہ اس سے زیادہ اشد ہے مگر عادۃً اس میں ابتلاء کم ہے، اس لئے اس کو مؤخر بیان فرمایا۔

آیت کے آخر میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا، یعنی جو احکام اس آیت میں دیئے گئے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق نہ کھاؤ یا کسی کو ناحق قتل نہ کرو، یہ سب احکام تمہارے حق

ہیں رحمتِ خداوندی ہیں تاکہ تم ان کاموں کے اخروی وبال سے بھی محفوظ رہو اور دنیوی سزاؤں سے بھی۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا، یعنی قرآنی ہدایات کے باوجود اگر کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرے اور جان بوجھ کر تعدی اور ظلم کی راہ سے کسی کا مال ناحق لے لے یا کسی کو ناحق قتل کردے تو ہم عنقریب اس کو جہنم میں داخل کریں گے ..... تعدی اور ظلم کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر سہو و نسیان یا خطا سے ایسا ہوگیا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اگر تم بچتے رہو گے ان چیزوں سے جو گناہوں میں بڑی ہیں تو ہم معاف کردیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے

وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں

رَبطِ آیات اس آیت سے پہلی آیات میں چند بڑے بڑے گناہوں کا ذکر اور ان میں مبتلا ہونے والوں پر شدید عذاب کا بیان ہے، قرآن کریم کا مخصوص اندازِ بیان یہ ہے کہ جب کسی جرم پر سزا سے ڈرایا جاتا ہے جسے ترہیب کہتے ہیں تو اس کے ساتھ ترغیب کا پہلو بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ جو شخص اس جرم سے باز آئے گا اس کے لئے یہ انعامات و درجات ہیں۔

اس آیت میں بھی ایک خاص انعامِ خداوندی ذکر کرکے ترغیب دی گئی ہے، وہ یہ کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچ گئے تو تمہارے چھوٹے گناہوں کو ہم خود معاف کردیں گے، اور اس طرح تم ہر طرح کے بڑے چھوٹے صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک وصاف ہوکر عزت و راحت کے اس مقام میں داخل ہوسکو گے جس کا نام جنت ہے۔

خلاصۂ تفسیر

جن کاموں سے تم کو (شرع میں) منع کیا جاتا ہے (یعنی گناہ کے کام) ان میں سے جو بھاری بھاری کام ہیں (یعنی بڑے بڑے گناہ ہیں) اگر تم ان سے بچتے رہو تو (اس بچنے پر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے اعمالِ حسنہ کے کرنے سے جب کہ وہ مقبول ہو جائیں) ہم تمہاری خفیف برائیاں (یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ جو کہ دوزخ میں لے جانے والے نہیں) تم سے دور (یعنی

معاف) فرمادیں گے (پس دوزخ سے محفوظ رہو گے) اور ہم تم کو ایک معزز جگہ (یعنی بہشت) میں داخل کردیں گے۔

معارف ومسائل

گناہوں کی دو قسمیں آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں، کچھ کبیرہ، یعنی بڑے گناہ اور کچھ صغیرہ یعنی چھوٹے گناہ، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی شخص ہمت کرکے کبیرہ گناہوں سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے صغیرہ گناہوں کو وہ خود معاف فرمادیں گے۔

کبیرہ گناہوں سے بچنے میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام فرائض وواجبات کو ادا کرے، کیونکہ فرض وواجب کا ترک کرنا خود ایک کبیرہ گناہ ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ جو شخص اس کا اہتمام پورا کرے کہ تمام فرائض وواجبات ادا کرے، اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچالے، تو حق تعالیٰ اس کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ کردیں گے۔

اعمالِ صالحہ صغائر کا کفارہ ہوجاتے ہیں کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمالِ صالحہ کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا کر اس کا حساب بیباق کردیں گے، اور بجائے عذاب کے ثواب اور بجائے جہنم کے جنت نصیب ہوگی ..... جیسے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو ہر عضو کے دھونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ ہوگیا، چہرہ دھویا تو آنکھ، کان، ناک وغیرہ کے گناہوں کا کفارہ ہوگیا، کلی کرلی تو زبان کے گناہوں کا کفارہ ہوگیا، پاؤں دھوئے تو پاؤں کے گناہ دھل گئے، پھر جب وہ مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

کبیرہ گناہ صرف توبہ سے معاف ہوتے ہیں آیت سے معلوم ہوا کہ وضو، نماز وغیرہ اعمالِ صالحہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہونا جو روایاتِ حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، اور کبیرہ گناہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اور صغیرہ کی یہ شرط ہے کہ آدمی ہمت اور کوشش کرکے کبیرہ گناہوں سے بچ گیا ہو ..... معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے وضو اور نماز ادا کرتا ہے تو محض وضو نماز یا دوسرے اعمالِ صالحہ سے اس کے صغیرہ گناہوں کا بھی کفارہ نہیں ہوگا، اور کبیرہ تو اپنی جگہ ہیں ہی ..... اس لئے کبیرہ گناہوں کا ایک بہت بڑا ضرر خود ان گناہوں کا وجود ہے جس پر قرآن وحدیث کی شدید وعیدیں آئی ہیں، اور وہ بغیر سچی توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ دوسری محرومی یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے

چھوٹے گناہ بھی معاف نہیں ہوں گے، اور یہ شخص محشر میں کبائر وصغائر کے بوجھ میں لدا حاضر ہوگا اور کوئی اس وقت اس کا بوجھ ہلکا نہ کر سکے گا۔

گناہ اور اس کی دو قسمیں صغائر، کبائر

آیت میں کبائر کا لفظ آیا ہے، اس لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں اور وہ کل کتنے ہیں، اور صغیرہ گناہ کی کیا تعریف ہے اور اس کی تعداد کیا ہے؛

علماء امت نے اس مسئلہ پر مختلف انداز میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی تقسیم اور ان کی تعریفات سے پہلے یہ خوب سمجھ لیجئے کہ مطلق گناہ نام ہے ہر ایسے کام کا جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے خلاف ہو، اسی سے آپ کو یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ اصطلاح میں جس گناہ کو صغیرہ یعنی چھوٹا کہا جاتا ہے، درحقیقت وہ بھی چھوٹا نہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت ہر حالت میں نہایت سخت وشدید جرم ہے، اسی حیثیت سے امام الحرمین اور بہت سے علماء امت نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت کبیرہ ہی ہے ——— کبیرہ اور صغیرہ کا فرق صرف گناہوں کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ كُلُّ مَا نُهِيَ عَنْهُ فَهُوَ كَبِيرَةٌ، یعنی جس کام سے شریعت اسلام میں منع کیا گیا ہے وہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس گناہ کو اصطلاح میں صغیرہ یا چھوٹا کہا جاتا ہے، اس کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں ہیں کہ ایسے گناہوں کے ارتکاب میں غفلت یا سستی برتی جائے اور ان کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کیا جائے، بلکہ صغیرہ گناہ کو بیباکی اور بے پرواہی کے ساتھ کیا جائے، تو وہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ چھوٹے گناہ اور بڑے گناہ کی مثال محسوسات میں ایسی ہے جیسے چھوٹا بچھو اور بڑا بچھو، یا آگ کے بڑے انگارے اور چھوٹی چنگاری کہ انسان ان دونوں میں سے کسی کی تکلیف کو بھی برداشت نہیں کر سکتا، اسی لئے محمد بن کعب قرظی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ گناہوں کو ترک کیا جائے، جو لوگ نماز، تسبیح کے ساتھ گناہوں کو نہیں چھوڑتے ان کی عبادت مقبول نہیں، اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ تم جس قدر کسی گناہ کو ہلکا سمجھو گے اتنا ہی وہ اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہو جائے گا، اور سلف صالحین نے فرمایا کہ ہر گناہ کفر کا قاصد ہے، جو انسان کو کافرانہ اعمال واخلاق کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اور مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کو ایک خط میں لکھا کہ بندہ جب خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس کے مداح بھی مذمت کرنے لگتے ہیں اور دوست بھی دشمن ہو جاتے ہیں، گناہوں سے بے پرواہی انسان کے لئے دائمی تباہی کا سبب ہے ——— صحیح حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، پھر اگر توبہ اور استغفار کر لیا تو یہ نقطہ مٹ جاتا ہے، اور اگر توبہ نہ کی تو یہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتا ہے"، اور اس کا نام قرآن میں رین ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۔ یعنی ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا ان کے اعمال بد نے" (۱۴، ۸۳) البتہ گناہوں کے مفاسد اور نتائج بد اور مضر ثمرات کے اعتبار سے ان کے آپس میں فرق ضروری ہے، اس فرق کی وجہ سے کسی گناہ کو کبیرہ اور کسی کو صغیرہ کہا جاتا ہے۔

گناہ کبیرہ گناہ کبیرہ کی تعریف قرآن وحدیث اور اقوال سلف کی تشریحات کے ماتحت یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں کوئی شرعی حد یعنی سزا دنیا میں مقرر کی گئی ہے یا جس پر لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید آئی ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں، اسی طرح ہر وہ گناہ بھی کبیرہ میں داخل ہوگا جس کے مفاسد اور نتائج بد کسی کبیرہ گناہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں، اسی طرح جو گناہ صغیرہ جرأت وبیباکی کے ساتھ کیا جائے یا جس پر مداومت کی جائے تو وہ بھی کبیرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

ابن عباسؓ کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتلائی تو آپ نے فرمایا سات نہیں سات سو کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔

امام ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب الزواجر میں ان تمام گناہوں کی فہرست اور ہر ایک کی مکمل تشریح بیان فرمائی ہے، جو مذکور الصدر تعریف کی رُو سے کبائر میں داخل ہیں، انکی اس کتاب میں کبائر کی تعداد چار سو ستر تک پہونچی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ بعض نے بڑے بڑے ابواب معصیت کو شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے تو تعداد کم لکھی ہے بعض نے ان کی تفصیلات اور انواع واقسام کو پورا لکھا تو تعداد زیادہ ہوگئی، اس لئے یہ کوئی تعارض واختلاف نہیں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات میں بہت سے گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان فرمایا، اور حالات کی مناسبت سے کہیں تین، کہیں چھ، کہیں سات، کہیں اس سے بھی زیادہ بیان فرمائے ہیں، اسی سے علماء امت نے یہ سمجھا کہ کسی عدد میں انحصار کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ مواقع اور حالات کے مناسب جتنا سمجھا گیا اتنا بیان کر دیا گیا۔

بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبیرہ

گناہوں میں بھی جو سب سے بڑے ہیں میں تمہیں ان سے باخبر کرتا ہوں، وہ تین ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک ساجھی ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی، اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹ بولنا۔

اسی طرح بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے، فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر پوچھا کہ اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو فرمایا کہ تم اپنے بچہ کو اس خطرہ سے مار ڈالو کہ یہ تمہارے کھانے میں شریک ہوگا، تمہیں اس کو کھلانا پڑے گا، پھر پوچھا کہ اس کے بعد کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا کہ اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرنا، بدکاری خود ہی بڑا جرم ہے، اور پڑوسی کے اہل و عیال کی حفاظت بھی چونکہ اپنے اہل و عیال کی طرح انسان کے ذمہ لازم ہے اس لئے یہ جرم دوگنا ہوگیا۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالیاں دے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے ہی ماں باپ کو گالی دینے لگے؟ فرمایا کہ ہاں! جو شخص کسی دوسرے شخص کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے اس کے نتیجہ میں وہ اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو یہ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دی ہوں، کیونکہ یہی ان گالیوں کا سبب بنا ہے۔

اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک اور قتل ناحق اور یتیم کا مال ناجائز طریق پر کھانے اور سود کی آمدنی کھانے اور میدانِ جہاد سے بھاگنے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے اور ماں باپ کی نافرمانی کرنے اور بیت اللہ کی بے حرمتی کرنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔

بعض روایاتِ حدیث میں اس کو بھی کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے کہ کوئی شخص دارالکفر سے ہجرت کرنے کے بعد پھر دارالہجرۃ کو چھوڑ کر دارالکفر میں دوبارہ چلا جائے۔

دوسری روایاتِ حدیث میں ان صورتوں کو بھی گناہ کبیرہ کی فہرست میں داخل کیا گیا ہے مثلاً جھوٹی قسم کھانا، اپنی ضرورت سے زائد پانی کو روک رکھنا، دوسرے ضرورت والوں کو نہ دینا، جادو سیکھنا، جادو کا عمل کرنا، اور فرمایا کہ شراب پینا اکبر الکبائر ہے، اور فرمایا کہ شراب پینا ام الفواحش ہے کیونکہ شراب میں مست ہو کر آدمی ہر بُرے سے بُرا کام کر سکتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے مسلمان بھائی پر ایسے عیب لگائے جس سے اس کی آبرو ریزی ہوتی ہو۔

ایک حدیث میں ہے جس شخص نے بغیر کسی عذر شرعی کے دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر دیا تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا، مطلب یہ ہے کہ کسی نماز کو اپنے وقت میں نہ پڑھا، بلکہ قضا کر کے دوسری نماز کے ساتھ پڑھا۔

بعض روایاتِ حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کبیرہ گناہ ہے اور اس کے عذاب و سزا سے بے فکر و بے خوف ہو جانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وارث کو نقصان پہنچانے اور اس کا حصہ میراث کم کرنے کے لئے کوئی وصیت کرنا بھی کبائر میں سے ہے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ خائب و خاسر ہوئے اور تباہ ہو گئے اور تین دفعہ اس کلمہ کو دہرایا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ محروم القسمت اور تباہ و برباد کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا ایک وہ شخص جو تکبر کے ساتھ پاجامہ یا تہبند یا کرتہ اور عبا کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، دوسرے وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کر کے احسان جتلائے، تیسرے وہ آدمی جو بوڑھا ہونے کے باوجود بدکاری میں مبتلا ہو، چوتھے وہ آدمی جو بادشاہ یا افسر ہونے کے باوجود جھوٹ بولے، پانچویں وہ آدمی جو عیال دار ہونے کے باوجود تکبر کرے، چھٹے وہ آدمی جو کسی امام کے ہاتھ پر محض دنیا کی خاطر بیعت کرے۔

اور صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ چغل کھانے والا جنت میں نہ جائے گا۔

اور نسائی و مسند احمد وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ چند آدمی جنت میں نہ جائیں گے شرابی، ماں باپ کا نافرمان، رشتہ داروں سے بلاوجہ قطع تعلق کرنے والا، احسان جتلانے والا، جنات و شیاطین یا دوسرے ذرائع سے غیب کی خبریں بتانے والا، دیوث، یعنی اپنے اہل و عیال کو بے حیائی سے نہ روکنے والا۔

مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی کے لئے قربان کرے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ

اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر مردوں کو

نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ

حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے

وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۳۲

اور مانگو اللہ سے اس کا فضل بے شک اللہ کو ہر چیز معلوم ہے ،

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ

اور ہر کسی کے لئے ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وارث اس مال کے کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے ،

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ

اور جن سے معاہدہ ہوا تمہارا ان کو دیدو ان کا حصہ بے شک

اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۳۳

اللہ کے روبرو ہے ہر چیز ۔

ع ۵ ۸ ۲

ربطِ آیات ماقبل کی آیتوں میں میراث کے احکام گذرے ہیں، ان میں یہ بھی بتلایا جا چکا ہے کہ میت کے ورثہ میں اگر مرد اور عورت ہو اور میت کی طرف رشتہ کی نسبت ایک ہی طرح کی ہو تو مرد کو عورت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا، اسی طرح کے اور فضائل بھی مردوں کے ثابت ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے اس پر ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کو آدھی میراث ملتی ہے، اور بھی فلاں فلاں فرق ہم میں اور مردوں میں ہیں۔

مقصد اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی تمنا تھی کہ اگر ہم لوگ بھی مرد ہوتے تو مردوں کے فضائل ہمیں بھی حاصل ہو جاتے، بعض عورتوں نے یہ تمنا کی کہ کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد میں حصہ لیتے اور جہاد کی فضیلت ہمیں حاصل ہو جاتی۔

ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مرد کو میراث میں دوگنا حصہ ملتا ہے اور عورت کی شہادت بھی مرد سے نصف ہے تو کیا عبادات و اعمال میں بھی ہم کو نصف ہی ثواب ملے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں دونوں قولوں کا جواب دیا گیا ہے، حضرت ام سلمہؓ کے قول کا جواب وَلَا تَتَمَنَّوْا سے دیا گیا، اور اس عورت کے قول کا جواب لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ سے دیا گیا۔

خلاصۂ تفسیر

اور تم (سب مردوں، عورتوں کو حکم ہوتا ہے کہ فضائل وہبیہ میں سے) ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو (مثلاً مردوں کو) بعضوں پر (مثلاً عورتوں پر

بلا دخل ان کے کسی عمل کے) فوقیت بخشی ہے، (جیسے مرد ہونا یا مردوں کا دو حصہ ہونا یا ان کی شہادت کا کامل ہونا وغیر ذلک کیونکہ) مردوں کے لئے ان کے اعمال (کے ثواب) کا حصہ (آخرت میں) ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال (کے ثواب) کا حصہ (آخرت میں) ثابت ہے، (اور مدار نجات کا قانوناً یہی اعمال ہیں، اور ان میں کسی کی تخصیص نہیں، تو اگر دوسروں سے فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو اعمال میں جو کہ فضائلِ کسبیہ ہیں کوشش کر کے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کر لو، باوجود اس پر قادر ہونے کے فضائل خاصہ مذکورہ کی تمنا محض ہوس اور فضول ہے) اور (اگر فضائل وہبیہ میں ایسے فضائل کی رغبت ہے جن میں اعمال کو بھی دخل ہے مثلاً احوال و کمالاتِ باطنیہ وامثالہا تو مضائقہ نہیں، لیکن اس کا طریقہ بھی یہ نہیں کہ خالی تمنائیں کیا کرو، بلکہ یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل (خاص) کی درخواست (یعنی دعاء) کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں (اس میں سب چیزیں آگئیں، یعنی فضائل وہبیہ قسم اول کی وجہِ تخصیص بھی، اور فضائل کسبیہ پر ثواب دینا بھی، اور فضائل وہبیہ قسم دوم کی درخواست بھی، پس یہ جملہ سب کے متعلق ہے) اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور (دوسرے) رشتہ دار لوگ (اپنے مرنے کے بعد) چھوڑ جاویں، ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارے عہد (پہلے سے) بندھے ہوئے ہیں (اسی کو مولی الموالات کہتے ہیں) ان کو (اب جبکہ شرع سے رشتہ دار لوگ وارث مقرر ہو گئے، ساری میراث مت دو، بلکہ صرف) ان کا حصہ (یعنی ایک ششم) دیدو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں (پس ان کو ساری میراث نہ دینے کی حکمت اور ششم حصہ مقرر کر دینے کی مصلحت اور یہ کہ بہ ششم ان کو کون دیتا ہے کون نہیں دیتا، ان سب کی ان کو خبر ہے)۔

معارف و مسائل

امورِ خیر میں اور غیر خیر میں ایثار کی تمنا کرنا آیت میں ان غیر خیر ایثاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو دوسروں کو حاصل ہوں ——— وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی، علم و فضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادۃً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے، جس کا تقاضا کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں، اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی، کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کے سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں، وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں، جیسے کسی شخص کا مرد ہونا، یا کسی اعلیٰ خاندانِ نبوت میں یا خاندانِ حکومت میں

پیدا ہونا، یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے یا خاندانی سید بن جائے، اس کا ناک نقشہ، قد و قامت حسین ہو جائے، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں، نہ کسی دوا، اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے، اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے، تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائیں، اسی کا نام حسد ہے، جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرمناک اور مضر خصلت ہے، اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں اور فسادات، قتل وغارتگری کا سبب ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت نے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ارشاد فرمایا وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ، یعنی اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکمت ومصلحت جو کمالات وفضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں، کسی کو کوئی وصف دیدیا کسی کو کوئی، کسی کو کم کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہئے، دوسرے کے فضائل وکمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہئے، کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج وغم اور حسد کے گناہ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنایا وہ اس پر شکر ادا کرے جس کو عورت بنا دیا وہ اسی پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہوجاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کر سکتی، اور گنہگار ہو جاتی، جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب صورت پیدا کیا ہے وہ اس پر شکر گذار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی، اور جو بدصورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اسی میں کوئی خیر مقدر ہوگی، اگر مجھے حسن وجمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتا، جو شخص نسب کے اعتبار سے سید ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے، کیونکہ یہ چیز کسی کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں، اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کر دے گی، اور بجز رنج وغم کے کچھ حاصل نہ ہوگا، بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمالِ صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبویؐ میں مسابقت فی الخیرات، یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا دوسروں کے فضائل وکمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی وعمل اور جد وجہد کی ترغیب آئی ہے تو وہ اُن اعمال وافعال سے متعلق ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں، اور کسب واکتساب سے حاصل ہو سکتے ہیں، مثلاً

علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات کسی کے دیکھ کر اُن کے حاصل کرنے کی جد وجہد مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے، یہ آیت اس کے منافی نہیں، بلکہ آیت کا آخری حصہ اس کی تائید کر رہا ہے، جس میں ارشاد ہے لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ، یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب وعمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا، اور جو عورتوں نے سعی وعمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا۔

اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ فضائل وکمالات کی تحصیل میں کسب واکتساب اور جد وجہد بیکار نہیں، بلکہ ہر مرد وعورت کو اس کی سعی وعمل کا حصہ ضرور ملے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کے علمی، عملی، اخلاقی فضائل کو دیکھ کر ان کی تمنا، اور پھر تمنا پوری کرنے کے لئے سعی وعمل اور جد وجہد کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔

یہاں ایک مغالطہ بھی رفع ہو گیا، جس میں بہت سے ناواقف مبتلا ہوا کرتے ہیں بعض تو غیر اختیاری فضائل کی تمنا میں لگ کر اپنے عیش وآرام اور سکون واطمینان کو دنیا ہی میں برباد کر لیتے ہیں، اور اگر نوبت حسد تک پہنچ گئی، یعنی دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہونے لگی تو آخرت بھی برباد ہوئی، کیونکہ حسد کے گناہِ عظیم کا ارتکاب ہوا۔

اور بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی سستی، کم ہمتی، بلکہ بے غیرتی سے اختیاری فضائل حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے اور کوئی کہے تو اپنی کم ہمتی اور بے عمل پر پردہ ڈالنے کے لئے قسمت وتقدیر کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا، کہ جو کمالات وفضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب وعمل مؤثر نہیں، جیسے کسی کا عالی نسب یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا، وغیرہ، ایسے فضائل کو تو حوالۂ تقدیر کر کے جس حالت میں کوئی ہے اسی پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے زائد کی تمنا بھی لغو، فضول اور نقد رنج وغم ہے۔

اور جو فضائل وکمالات اختیاری ہیں جو کسب وعمل سے حاصل ہو سکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب وعمل اور جد وجہد بھی ہو، اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی وعمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی، بلکہ ہر ایک کو بقدر محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس آیت سے پہلے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اور لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کے احکام آئے تھے، جن میں کسی کا مال ناحق استعمال کرنے اور کسی کو ناحق قتل کرنے کی ممانعت ہے، اس آیت میں ان دونوں جرموں کے سرچشمہ

کو بند کرنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ دوسرے لوگوں کو جو مال و دولت یا عیش و عشرت یا عزت و جاہ وغیرہ میں تم پر تفوّقِ خداداد حاصل ہے، تم اس کی تمنا بھی نہ کرو ـــــ اس میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ چوری، ڈاکہ اور دوسرے ناجائز طریقوں سے کسی کا مال لینا، یا قتل و غارت گری کرنا، ان سب جرائم کا اصل منشاء یہی ہوتا ہے کہ ایک انسان جب دوسرے انسان کو مال و دولت وغیرہ میں اپنے سے فائق اور بڑھا ہوا پاتا ہے تو اوّل اس کے دل میں اس کی برابری یا اس سے برتری کی خواہش و تمنا پیدا ہوتی ہے، پھر یہ تمنا ہی ان سب جرائم تک پہنچا دیتی ہے، قرآنی ہدایت نے ان تمام جرائم کے سرچشمہ کو بند کر دیا کہ دوسروں کے فضائل و کمالات کی تمنا ہی کو روک دیا۔

آیت میں اس کے بعد ارشاد ہے وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ، اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب تم کسی کو کسی کمال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اس کے کہ اُس خاص کمال میں اس کے برابر ہونے کی تمنا کرو، تمہیں کرنا یہ چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کی درخواست کرو، کیونکہ فضلِ خداوندی ہر شخص کے لئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، کسی کے لئے مال و دولت فضلِ الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہو جائے تو گناہ و کفر میں مبتلا ہو جائے، اور کسی کے لئے تنگی اور تنگدستی ہی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ غنی اور مالدار ہو جائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہو جائے، اسی طرح کسی کی عزت و جاہ کی صورت میں فضلِ خداوندی ہوتا ہے، کسی کے لئے گمنامی اور کس مپرسی ہی میں اس کے فضل کا ظہور ہوتا ہے، اور حقیقتِ حال پر نظر کرے تو معلوم ہو جائے کہ اگر اس کو عزت و جاہ ملتی تو بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا۔

اس لئے اس آیت نے یہ ہدایت دی کہ جب اللہ سے مانگو تو کسی خاص وصفِ معین کو مانگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو تاکہ وہ اپنی حکمت کے مطابق تم پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے۔

آخر آیت میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، اس میں اشارہ فرما دیا کہ حق تعالیٰ کی تقسیم عین حکمت اور عین عدل و انصاف ہے، جس کو جس حال میں پیدا کیا اور رکھا ہے، وہی مقتضائے حکمت و عدل تھا، مگر چونکہ انسان کو اپنے اعمال کے عواقب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لئے مفید ہے۔

آیت مذکورہ کی شانِ نزول میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جب میراث میں مردوں کا دوہرا

حصہ مقرر ہوا تو بعض عورتوں نے یہ تمنا کی کہ ہم مرد ہوتے تو ہمیں بھی دوہرا حصہ ملتا، اس کے مناسب دوسری آیت میں میراث کے قانون کا اعادہ اس انداز سے کر دیا گیا کہ اس میں جو کچھ حصے مقرر کئے گئے ہیں وہ عین حکمت اور مطابقِ عدل ہیں، انسانی عقل چونکہ تمام عالم کے مصالح و مفاسد کا احاطہ نہیں کر سکتی، اس لئے وہ ان حکمتوں کو بھی نہیں پہنچ سکتی، جو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون میں ملحوظ ہیں، اس لئے جو حصہ کسی کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے اس کو اسی پر راضی رہنا اور شکر گذار ہونا چاہئے۔

عقدِ موالات سے میراث پہنچنے کا حکم

اس آیت کے آخر میں جو باہمی معاہدہ کی بناء پر حصہ دینا مذکور ہے، یہ ابتداءِ اسلام میں تھا، بعد میں آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ سے یہ منسوخ ہو گیا، اب اگر دوسرے ورثاء موجود ہوں تو دو شخصوں کے باہمی معاہدہ کا میراث پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو

بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کئے انھوں نے اپنے مال پھر جو عورتیں نیک ہیں تابعدار ہیں

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ

نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو

نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ

تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو ان کو

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بیشک اللہ ہے سب سے

عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا

اوپر بڑا اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف

مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ

مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ

اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

موافقت کر دیگا ان دونوں میں، بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔